محمد بلال
Batch : 112

DATE: 29/Dec/2022

سوال 3

(ب) مندرجہ ذیل اقتباسات میں سے کسی ایک کی تشریح کیجئے، مصنف کا حوالہ بھی دیجئے۔

۲)
"ہر شخص کے ذہن میں عیش و فراغت کا ایک نقشہ رہتا ہے جو دراصل چربہ ہوتا ہے اس ٹھاٹ باٹ کا جو دوسروں کے حصے میں آیا ہے۔ لیکن جو دکھ آدمی سہتا ہے، وہ تنہا اس کا اپنا ہوتا ہے۔ بلاشرکت غیرے بالکل نجی، بالکل انوکھا۔ ہڈیوں کو پگھلا دینے والی جس آگ سے وہ گزرتا ہے۔ اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں۔ جیسا داڑھ کا درد مجھے ہو رہا ہے ویسا کسی اور کو نہ کبھی ہوا، نہ ہو گا۔"
~~اس کے برعکس~~

حوالہ:
درج بالا اقتباس "مشتاق احمد یوسفی" کی کتاب "آبِ گم" سے لیا گیا ہے۔ اس اقتباس میں مصنف اپنے منفرد طنز و مزاح ~~کا~~ کو بروئے کار لاتے ہوئے انسانی ذہن اور سوچ و فکر کی عکاسی کرتے ~~ہیں~~ ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح انسانی ذہن دکھ اور سکھ کو دو الگ الگ زاویوں میں دکھاتا ہے اور کس طرح انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دکھوں کے معاملے میں وہ سب سے آگے اور ~~دکھوں کے معاملے~~ سکون کے معاملے میں کس قدر پستی کا شکار ہے۔

تشریح:
زیر غور اقتباس میں مشتاق احمد یوسفی صاحب انسانی ذہن کے دو مختلف زاویوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر شخص کسی نہ کسی طور اپنے ذہن میں عیش و آرام اور فراغت و سکون کا جو نقشہ تخلیق کرتا ہے وہ کہیں نہ کہیں کسی دوسرے شخص سے متاثر ہو کر اس کی انداز زندگی اور بناوٹ و تصنع سے متاثر ہو کر تخلیق کرتا ہے۔ انسانی ذہن اپنے اردگرد بسے ان

DATE: ___/___/___

لوگوں کے سکون سے متاثر ہوتا ہے جو اس کا اپنے ذاتی خیال کے مطابق پرسکون دکھائی دیتے ہیں اور یوں انسانی ذہن ان سکون زدہ لوگوں کے عیش و فراغت کو بہترین سمجھتے ہوئے اپنے ذہن و دماغ میں اسی سکون کا نقشہ تیار کر لیتا ہے جس نقشے کے مطابق وہ سکون و فراغت سے کوسوں دور معلوم ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس دکھ اور آلام کے معاملے میں انسان اپنے دکھ کو تمام افراد کے دکھ سے عظیم اور برتر سمجھتا ہے۔ انسانی ذہن اسے دکھ کے معاملے میں اس زاویے سے روشناس کرواتا ہے جو اسے مسلسل یہ یقین دہانی کرواتا ہے کہ بلاشرکت غیرے، جس دکھ سے تم گزر رہے ہو کائنات کا کوئی شخص اس دکھ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جن مصائب و آلام سے تمہارا سامنا ہوا ہے وہ فقط تمہارے ہی حصے میں آئے ہیں اور بالکل یگانہ اور مختلف ہیں دنیا کے تمام مصائب و آلام سے۔ دکھوں اور مصیبتوں کی آگ جس سے تم گزر رہے ہو، جس آگ میں تمہارا دامن و دل جلے جا رہا ہے، تمہاری ہڈیاں تک پگھل رہی ہیں وہ آگ تو کسی کے ذہن و گمان میں بھی نہیں سما سکتی۔ حتیٰ کہ ایسی آگ کی تپش تو جہنم میں بھی نہیں جیسی تپش اور گرمی تمہیں اس مصیبت کے باعث برداشت کرنا پڑ رہی ہے۔ جیسا درد جیسی تکلیف تمہیں اس وقت بھگتنا پڑ رہی وہ نہ تو ماضی میں کسی کے نصیب میں آئی نہ ہی کبھی مستقبل میں کسی کو ایسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ الغرض کہ تمہاری تکلیف جہاں بھر کی تمام تکالیف سے منفرد اور یگانہ ہے جو نہ کبھی کسی کے حصے میں آئی اور نہ ہی کوئی صاحب فہم بھی اس کا ادراک کر سکتا ہے۔

بقول یوسفی صاحب یہ انسانی ذہن ہے جو انسان کو مختلف پیراؤں سے گزارتا ہے۔ سکون اور آرام و آسائش کا نقشہ ہمیشہ دوسروں سے مستعار لیتا ہے جبکہ دکھ، مصائب اور آلام کے معاملات میں ہمیشہ خود کو دوسروں سے لاچار اور آفت زدہ تصور کرنے اور کروانے میں مصروف عمل رہتا ہے۔

Scanned with CamScanner

سوال نمبر ۵:

(الف) درج ذیل میں سے کسی ایک جزو کی تشریح کیجئے۔ شاعر کا نام بھی لکھیے۔

جز دوم:

۳)

"مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام"

حوالہ:-

درج بالا شعر "علامہ محمد اقبال" کی ~~[illegible]~~ شہرہ آفاق نظم "مسجد قرطبہ" سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم آٹھ بندوں ~~[illegible]~~ پر مشتمل ہے اور لازوال فنی محاسن کو خود میں سموئے ہوئے ہے۔

پس منظر:-

نظم "مسجد قرطبہ" ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں علامہ محمد اقبال نے اپنے مخصوص فکر و فن اور محاسن شعری کی مدد سے کئی ایک فلسفیانہ تصورات کی تخلیق کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظم اقبال کی شہرہ آفاق نظموں میں شمار ہوتی ہے اور اقبال کے فنی اعتبار سے مرتبۂ کمال پر فائز ہونے کی ایک انتہائی مضبوط دلیل پیش کرتی ہے۔ یہ نظم علامہ محمد اقبال نے اپنی وفات سے پانچ (۵) سال قبل ۱۹۳۳ء میں لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاید وہ قلم کی پختگی جو اس نظم میں دکھائی دیتی ہے وہ ~~[illegible]~~ دیگر تمام منظوم مجموعوں سے قدرے مختلف اور ممتاز ہے۔ جس طرح مسجد قرطبہ اپنے فنی محاسن اور شاہکاری میں ایک بہترین مثال ہے اسی طرح اقبال کی یہ نظم بھی فنی محاسن اور شعرانہ شاہکاری کی عمدہ مثال لیے ہوئے ہے لہٰذا اس نظم کو اگر اردو ادب کا تاج محل کہا جائے تو بالکل بے جا نہ ہوگا۔

Scanned with CamScanner

DATE: ___/___/_____

تشریح:

اس شعر میں شاعر مسجد قرطبہ کے تذکرے سے قبل ایک طویل تمہید باندھتے ہوئے کہتے ہیں کہ مردِ خدا، مردِ حق کا عمل دنیا اور جہان کی خاطر نہیں ہوتا۔ دنیا اور جہان کی کوئی چیز صاحبِ خدا کے عمل کا سبب نہیں بنتی بلکہ یہ عشق ہے جو بندۂ خدا کے عمل کا سبب بنتا ہے۔ یہ عشق ہے جس سے مردِ خدا کا عمل فروغ پاتا ہے۔ وہ عشق جو حیات کا منبع ہے جسے کبھی موت نہیں آنی۔ عشق ہمیشہ سے ہے اور عشق نے ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ عشق وہ شے ہے جسے کبھی فنا نہیں۔ عشق سراپا بقاء ہے۔ عشق سراپا حیات ہے۔ اسی بات کو اقبال نے اپنی اک اور نظم "عشق اور موت" میں کچھ یوں بیان کیا ہے کہ:

"بقاء کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
قضاء تھی شکار قضاء ہو گئی وہ"

(نظم: عشق اور موت)

بقول اقبال قضاء نے جب سراپا بقاء (یعنی عشق) کو جب مسکراتا دیکھا تو اس کی مسکراہٹ کی تجلی کی تاب نہ لا ہوئے قضا بھی بذات خود قضاء کا شکار ہو گئی۔ گویا یہ عشق وہ شے ہے (اقبال کے نزدیک) جسے موت بھی نقصان نہ پہنچا سکی لہذا عشق سراپا حیات اور بقاء ہے عشق ہمیشہ سے حیات کا منبع ہے جس پر موت بھی حرام ہے۔

اس شعر اور اس سے قبل کے شعروں کے تسلسل میں اقبال یہ نکتہ ثابت کرتے ہیں کہ زمانے کی گردش اور تغیر و تبدیلی ہر شے پر اثر انداز ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ہر شے فناء ہو جاتی ہے لیکن وہ نقش جسے ایک مردِ خدا نے مکمل کیا ہو وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے کیونکہ مردِ خدا کا عمل عشق کی بنیاد پر ہوتا ہے اور عشق ہی سے فروغ پاتا ہے۔ تو چونکہ عشق

DATE: ___/___/______

کو زمانہ کی لہر اور گردشِ ایام تو کسی صورت نقصان
نہیں پہنچا سکتے کیونکہ عشق تو خود بقا ہے عشق ایک
حیات ہے جسے کبھی موت نہیں آ سکتی لہذا اس عشق سے
کیے گئے صاحب خدا مردِ حق کے عمل میں بھی ایک
ثابت قدمی اور دائمی تا قائم رہنے والا رنگ دکھائی
دیتا ہے۔